

## مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تفسیر ثنائی کا اجمالی جائزہ

*An overview of Tafseer-e- Sanai by Maulana Sana-Ullah*

☆ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

### **Abstract:**

*Tafseer-e-Sanai is a brief exagies of Holy Quran which was written by Moulana Sana Ullah Amratsari (D: 1948). It has eight short volumes but has been separated in two compilations the first one has four volumes (1-4) & the second one (5-8) has also four volumes. First edition was published in 1313, Hijri & had been completed in 1349 Hijri i.e in 1931. This work was completed in 36 years. First volume of this tafseer was published in the life time of Sir Syed Ahmed Khan, but also it was sent to him. That's why in its early volumes, there were so many answers in response to Sir Syed's thoughts. It is worth mentioning that Moulana Amratsari has responded in a good manner to Sir Syed. Moulana was affiliated with the sect of Ahle-Hadees but after attaining the education from different institutions several of sects like, Darul Uloom Deoband & Madarsa-e-Kanpur, (i.e Deobandi & Brailvi), Moulana had been freed from any single sect. He is known as a scholar of Islam, this tafseer is a witness of it. The Style & method of writing Tafseer is very unique that is why its style was adopted by a known scholar, Moulana Ashraf Ali thanvi and Moulana Abdul Qadeer Siddiqi's translation was also inspired by it. The Quranic letters (حروف مقطعات) are mentioned with meanings in it and 28 translations of (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) are also determined in different places in the beginning of Surah.*

(2)

مولانا امرتسریؒ نے تین مختلف مکاتب فکر کے مدرسوں سے کسب فیض کیا تھا۔ سب سے پہلے اہلحدیث مکتب سے پھر دارالعلوم دیوبند سے اور آخر میں مدرسہ فیض عام کانپور سے۔ مولانا نے مدرسہ فیض عام کانپور میں اپنے پڑھنے کا ذکر خود اپنی تفسیر میں بھی کیا ہے۔ (۵) مختلف مکاتب میں پڑھنے کی وجہ سے مولانا کی فکر میں وسعت، پختگی، اور تحقیق کا عنصر غالب رہا۔ اہلحدیث ہونے کے باوجود وہ ”اہلحدیث“ نہیں رہے۔ ان کی پہچان علمی گہرائی اور وسعت نظری بنی۔ ان دعوؤں کے ثبوت میں تفسیر ثنائی دیکھی جاسکتی ہے۔

(3)

مولانا نے اپنی تفسیر کے لکھنے کا سبب یہ بتایا ہے:

”اس تفسیر کے لکھنے کا مجھے دو وجہ سے خیال پیدا ہوا۔ ایک تو میں نے دیکھا کہ مسلمان عموماً ہم قرآن شریف سے ناواقف بلکہ شناخت حروف سے بھی نا آشنا ہیں ایسے وقت میں عربی تصانیف سے ان کا فائدہ اٹھانا قریب محال ہے۔ اردو تفاسیر سے بھی بوجہ کسی قدر طوالت کے عام لوگ مستفید نہیں ہو سکتے۔ نیز ان کا طرز بیان خاص طریق پر ہے۔

دوم۔ میں نے مخالفین کے حال پر غور کیا تو باوجود بے علمی اور ہیج مدانی کے مدعی ہمہ دانی پایا۔ خدا کی پاک کتاب پر منہ کھول کھول کر معترض ہو رہے ہیں۔ حالانکہ کل سرمایہ ان کا سوائے تراجم اردو کے کچھ بھی نہیں، جس میں سے بعض تو تحت لفظی ہیں اور اس کے محاورات بھی انقلاب زمانہ سے منقلب ہو گئے۔ اس لئے وہ بھی

مطلب بتانے سے عاری ہیں.....“ (۶)

وجوہ تفسیر نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو بزبان اردو، ایک بیان مسلسل کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے آج تک اس طرف توجہ نہیں کی تھی۔ اس لئے مجھے اس کا خیال آیا۔ مولانا نے دعویٰ کیا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی اگر مرہ اللہ نے انہی کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ترجمے میں یہ طرز بیان

میں باعتبار محاورہ اُردو کے پایا ادا کر دیا ہے۔ بعض جگہ واؤ کو سر  
کلام سمجھ کر اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ غرض جو کچھ کیا وہ اسی غرض سے کیا  
کہ اردو میں با محاورہ کلام ہو۔“ (۸)

(4)

مولانا امرتسری بڑے عاشقِ رسول تھے۔ ان کی اکثر تحریریں اس امر کی گواہ ہیں۔ انہوں نے ”رنگیلا  
رسول“ کے جواب میں ”مقدس رسول“ نامی کتاب لکھی، جو بہت مشہور ہوئی۔ وہ اپنی تفسیر میں آنحضرت ﷺ کا  
جب ذکر کرتے ہیں تو اس میں آپ کے لیے فداہ ابی و اُمی یا فداہ رُوحی کے الفاظ کا اہتمام ضرور کرتے ہیں۔ (۹)  
بطور مثال ملاحظہ ہو۔ ”کچھ شک نہیں کہ یہ پیش گوئی پیغمبرِ خدا محمد مصطفیٰ، محی عبادتِ واحد مطلق فداہ ابی و اُمی علیہ  
الصلوٰۃ کے حق میں ہے۔“ (۱۰)

مولانا نے اپنی تفسیر کا مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کے تعلق سے لکھا ہے جس  
میں آپ کی نبوت کے ثبوت میں چار دلیلوں کو پیش کیا ہے۔ یہ مقدمہ مختصر ضرور ہے مگر جامع ہے۔ گیارہ صفحات پر  
مشتمل اس مقدمے کا آغاز ان جملوں سے ہوتا ہے۔

”اس مقدمہ میں چند دلائل مختصرہ سے سید الانبیاء سند الاصفیاء محمد  
مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ التحیۃ والسلام کی نبوت کا ثبوت ہوگا۔ اس لئے  
کہ ہر کتاب کے دیکھنے سے پہلے صاحب کتاب کی وجاہت کا لحاظ  
بھی ضروری ہے۔“ (۱۱)

(5)

مولانا امرتسری نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعدد ترجمے کئے ہیں۔ جبکہ بالعموم اردو مترجمین نے اس  
کا ترجمہ ایک بار جو کیا ہے۔ وہی ہر مقام پر دہرایا ہے۔ اس ضمن میں متعدد مترجمین کے تراجم دیکھے جاسکتے ہیں۔  
سر سید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولانا محمود حسن، محمد علی لاہوری، فتح محمد جالندھری، سید محمد محدث کچھوچھوئی،  
سید ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ احمد سعید کاظمی، پیر محمد کرم شاہ الازھری، اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری وغیرہم..... نیز ابو  
الکلام آزاد اور امین احسن اصلاحی نے تو صرف ایک بار ہی (سورہ فاتحہ میں) بسم اللہ کا ترجمہ کیا ہے۔ باقی کی  
تمام سورتوں میں ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہیں کہ ہر ایک حرف اللہ کے نام اور صفت کا مظہر ہے۔ اس لئے میں نے یہ ترجمہ جسے آپ دیکھ رہے ہیں، کیا ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔“ (۱۲)

پھر اس اصول پر مولانا نے دیگر حروف مقطعات کو اپنے انداز سے کھولا ہے اور ہر جگہ اس سے مراد، ذاتِ خداوندی اور اس کی صفات کو لیا ہے۔ اکثر متکلم کے صیغے میں اور دو ایک جگہ غائب کے صیغے میں..... بجز دو مقامات کے کہ جہاں اس سے مراد بجائے ذات و صفاتِ خداوندی کے، بندہ خدا اور انسانِ کامل کو لیا گیا ہے۔ اس طرح مولانا کا وہ اصول ٹوٹ گیا ہے، جو انہوں نے اَلَمْ (سورۃ البقرہ) کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ ایک بار پھر دیکھئے۔

”میرے نزدیک صحیح وہ ہیں، جو ابن عباسؓ سے مروی ہیں کہ ہر ایک حرف اللہ کے نام اور صفت کا مظہر ہے۔“ (۱۳)

اَلَمْ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں ہوں اللہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا۔ (۱۴) اَلرّ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں ہوں اللہ سب کچھ دیکھتا۔ (۱۵) کَہٰی عَصَ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں اللہ ہی سب کو کافی، سب کا ہادی، سب کو امن دینے والا، سب پر غالب صادق القول ہوں۔ (۱۶) طٰی کا ترجمہ کیا ہے۔ اے بندہ خدا (۱۷) طٰسَمَ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں ہوں بڑی پاکی والا، سلامتی والا مالک (۱۸) طٰسَسَ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں اللہ بڑا وسعت والا پاک ہوں (۱۹) اٰیٰکِن سُوْرۃ قَصَص میں طٰسَمَ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ میں ہوں اللہ بڑی تو نگری والا، پاک و سلامتی والا۔ (۲۰) حَمَ کا ترجمہ کیا ہے۔ اللہ بڑا رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ (۲۱) حَمَّ ۝ عَسَوْ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں ہوں اللہ رحمن، رحیم، علیم کل، ستارِ عُیُوْب، قادرِ مُطْلِق، (۲۲) صَ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں بڑا صادق ہوں۔ (۲۳) نَ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں رحمان ہوں (۲۴) قَ کا ترجمہ کیا ہے۔ میں خدا قادر ہوں۔ اور تفسیری ترجمہ میں لکھا ہے میں خدا قادر و قیوم ہوں۔ (۲۵) اور ایک جگہ حَمَّ کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ رحمن و رحیم ہے۔“ (۲۶)

(7)

مولانا امرتسریؒ نے سورۃ ال عمران کی ابتداء میں شان نزول کے عنوان سے نجران کے عیسائیوں کا وہ واقعہ قلمبند کیا ہے، جب انہوں نے اپنے طریق پر مسجدِ نبوی ﷺ میں ہی آنحضرت ﷺ کی اجازت سے نماز ادا کی تھی۔ اس پر مولانا کا تبصرہ ان کے فکر و نظر بلکہ ان کی فکری صالحیت کا آئینہ دار ہے۔ اپنی اس تحریر میں وہ ہمیں ایک مصلحِ اُمت اور مفکرِ اسلام نظر آتے ہیں۔ ارقام فرماتے ہیں:

مشمول یہ بحث علماء کے پڑھنے کے لائق ہے۔ اس اختلافی بحث میں مخالفت و عناد کا پہلو تو کجا کہیں شوشہ بھی نظر نہیں آتا۔ علمی موضوعات میں علماء کا باہم اختلاف ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر اختلاف رائے کرنا کوئی مولانا سے سیکھے۔ مولانا کو اپنے دلائل اور اسلوب بیان کی صحت پر اعتماد ہی تو تھا جو یہ لکھ گئے۔

”جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اپنے مدعا کی اثبات میں کسی مغالطے یا فسفطے سے کام نہیں لیا، امید ہے قارئین اگر ہماری معروضہ بالا تقریر کو بغور پڑھیں گے۔ مذہب میں متفق اللفظ نہ ہوں گے تو تقریر کے طرز استدلال کے محسن ضرور ہوں گے۔“ (۳۱)

(9)

مولانا مناظر اسلام مانے جاتے تھے مگر وہ روایتی اسلوب سے مختلف مناظر تھے۔ بالعموم مناظروں کے ہاں علمی گہرائی نہیں ہوتی، اس لئے وہ اپنے لفظوں میں جوش پیدا کرنے کیلئے عامیانہ بلکہ سوقیانہ سطح پر آ جاتے ہیں اس کا سبب دراصل ان کا غیر علمی پس منظر ہوتا ہے۔ مگر مولانا امرتسری کے مناظرے اعلیٰ پائے کے علمی اور تہذیبی الفاظ و دلائل سے مالا مال ہوتے تھے۔ اس ضمن میں ان کا موقف تھا:

”یہ ایک نہایت پاکیزہ اصول ہے کہ مناظرہ میں فریق ثانی کے بزرگوں کو انہی لفظوں سے یاد کرنا چاہئے، جن لفظوں سے ہم اپنے بزرگوں کا نام سننا چاہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ زمانہ حال میں اس طریق کی گفتگو بہت ہی کم ہوتی ہے، جس کا نتیجہ بھی ظاہر ہے۔“ (۳۲)

(10)

مولانا امرتسری ردّ قادیانیت میں عالم گیر شہرت کے حامل ہیں۔ تفسیر ثنائی میں انہوں نے ان کے ردّ میں جگہ جگہ بحث کی ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

”مضمون وفات و حیات مسیح قادیانی مباحث کیلئے فیصلہ کن نہیں۔ فیصلہ کن وہی صورت ہے، جو خود مرزا صاحب نے میرے حق میں

کے انتقال کا ذکر تفسیر ثنائی کے ایک حاشیہ میں اس طرح کیا گیا ہے۔ ”یہ فقرہ مرزا صاحب کی زندگی میں لکھا گیا تھا افسوس ہے کہ آج ہم ان کو زندہ نہیں پاتے۔“ (۳۵)

(11)

مولانا امرتسری نے اپنی تفسیر میں اپنے لکھے ہوئے کو حرفِ آخر کبھی نہیں سمجھا۔ طبع دوم میں کہیں کہیں ہمیں ان کا یہ اعتراف نظر آتا ہے کہ پہلے اس کے معنی وہ لکھے گئے تھے۔ مگر غور و فکر کے بعد اب اس کے یہ معنی لکھے جا رہے ہیں۔ اس سے مولانا کے علمی و تحقیقی ذوق و رجحان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں اس کی مثال ملاحظہ ہو۔

”وَبَيْسَ الْمُرُودِ“ ترجمہ: بہت ہی برا گھاٹ ہے اور  
برے اتارے ہوئے۔

المورود سے مراد وہ لوگ ہیں جو اور د کے مفعول بہ ہیں اور حرفِ  
عطف مخذوف ہے۔

ای بیس المرورد۔ بظاہر یہ لفظ المرورد کی صفت ہے۔ طبع  
اول میں اسی کے موافق معنی کئے ہیں لیکن بعد غور یہ معنی اصح  
معلوم ہوئے۔“ (۳۶)

(12)

مولانا امرتسری ایک خدا ترس عالم دین تھے۔ تفسیر قرآن میں ان کی خدا خونی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ جہاں محسوس کرتے کہ تفسیر عام ڈھب سے ہٹ کر کرنا ضروری ہے۔ تو وہاں اس کی توجیہ و توضیح ضرور کرتے اور ساتھ ہی اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے کہ ممکن ہے کہ ”کسی صاحب کو اس سے بھی اچھی توجیہ و توضیح جائے۔“ ”وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ (۳۷)

مثلاً اِذْ جَعَلْ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَ جَعَلَكُمْ مَلُوكًا..... والی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”..... اس نے تم میں سے انبیاء اور تم کو بادشاہ بنانے کا وعدہ کیا۔“

اور نیچے حاشیہ میں لکھتے ہیں:



”اس آیت کے شان نزول میں چند روایات منقول ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک یوں ہے کہ ایک لڑکے کی پیدائش کی نسبت بدگمانی کرتے تھے کہ یہ ناجائز مولود ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آنحضرت نے وہی بتایا، جو اس کی والدہ کا ناکح تھا۔ بس فیصلہ ہو گیا۔ راوی کہتا ہے اس واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی مگر دقیق نظر میں یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ وہ یوں ہے کہ آیت کے سارے لفظوں سے دو جملے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱) جو سوال تم کرو گے، اس کا جواب تم کو تکلیف دہ ہوگا۔ (۲) نزول قرآن کے وقت اگر سوال کرو گے تو جواب ضرور ملے گا۔ ان دو جملوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سوال کا جواب قرآن مجید میں دیا جائے گا۔ نیز یہ کہ وہ جواب تم کو تکلیف دہ ہوگا۔ حالانکہ جو جواب اس سائل کو ملا۔ وہ قرآن میں نہیں۔ نہ تکلیف دہ ہے۔ بلکہ تسلی بخش اور فیصلہ کن ہے۔ پھر یہ روایت اس آیت کی محل نزول نہ ہوگی۔ بلکہ محل نزول یہ ہے کہ صحابہ کفار سے تنگ آ کر جہاد کی اجازت چاہتے تھے اور مصلحت الہی میں ابھی وقت نہ آیا تھا۔ ان کو سمجھانے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس آیت کے ساتھ ہی پہلے لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے جہاد کی بابت عرض معروض کیا تھا۔ ”أُبْعَثْنَا لَنَا مَلَكَاتُ نَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ (ہمارا افسر مقرر کیا جائے تو ہم اللہ کی راہ میں لڑیں) جب ان کی درخواست منظور ہوئی تو منہ پھیر گئے۔ میرے نزدیک آیت کے یہ معنی ہیں۔ رہی روایات، سو وہ سنداً صحیح ہیں۔ یعنی واقعہ ایسا ضرور ہوا کہ بعض لوگوں نے سوال کئے لیکن سوالوں کو اس آیت سے متعلق کرنا یہ راوی کا فہم ہے۔ ایسا ہوا کرتا ہے کہ ایک راوی محض اپنے فہم سے کسی واقعہ کو

سلیمان کا تخت بھی غالباً اسی قسم کی ہوا سے اُڑتا ہوگا۔ جس کو خلافِ قانونِ قدرت کہہ کر انکار یا تاویل کرنا ذرہ جلد بازی ہے۔ امامِ رازی تفسیرِ کبیر میں لکھتے ہیں: المسخر لسليمان كانت ريحاً مخصوصته لا هذه الرياح فانها لمنافع عامة في اوقات الحاجات (تفسیرِ کبیر، جلد ۷، ص ۹) یعنی حضرت سلیمان کے تابع یہ ہوا نہ تھی، جو ہمارے سامنے چل رہی ہے۔ کیونکہ یہ تو عام لوگوں کے فائدے اور منافع کیلئے ہے۔ اسلئے ہم نے اس کو غبارہ سے تشبیہ دی ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاسْرَارِهِ“۔ (۳۱)

اس طرح اس آیت پر بھی ان کی تفسیر دیکھئے:

إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلِلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ (الشورى/۳۳)

اگر خدا چاہے تو ہوا کو ٹھہرالے پھر وہ جہازات سمندر میں کھڑے رہ جائیں۔ (امرتسری)

اس آیت کے ذیل میں مولانا نے ایک اشکال اُٹھایا ہے، جو ان کے اپنے عہد کے تناظر میں پیدا ہو سکتا تھا۔ پھر اس کا نہایت عمدگی سے جواب دے دیا۔ اس طرح اپنی تفسیر کو اپنے زمانے سے ہم آہنگ کر دیا۔ ان کا جواب دیکھئے۔ ”یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آج کل جہاز ہوا سے نہیں چلتے بلکہ انجنوں کی طاقت سے چلتے ہیں۔ پھر ہوا کے رکنے سے ان پر کیا اثر؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انجنوں کی بھاپ بھی ہوا ہی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں الریح کا لفظ اُس ریح کو بھی شامل ہے۔“ (۳۲)

(16)

قرآن مجید کے بارے میں بلاشبہ درست دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر معاشرے کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ صحیح قیامت تک کے لوگوں کے لئے بھی اس میں سامانِ ہدایت و عبرت موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود بعض آیتوں کے شانِ نزول کو زمانہٴ حال پر منطبق کرنے کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ جبکہ مولانا امرتسری کے ہاں ایسا استدلال بھی نظر آتا ہے کہ دو رسالت مآب ﷺ کے واقعہ کو کسی حالیہ واقعہ پر بطور پیش گوئی منطبق کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ ”اس آیت سے اس ہندی واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔“ (۳۳)



مزید مضبوط ترین ذہن نشین ہوگی کہ واقعی خدا بڑا رزاق ہے۔ جو  
ایک بارش سے کروڑھا بندگان اور حیوانات کو رزق دے رہا  
ہے۔“ (۲۵)

اور جب مولانا امرتسری اس آیت پر پہنچے۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا (النبا ۱۲)

ترجمہ: بادلوں سے زور کا پانی اتارتے ہیں۔ (امرتسری)

تو اپنے حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں۔ ”عجیب اتفاق ہے کہ اس وقت دم تحریر ہذا امرتسر میں خوب

بارش ہو رہی تھی، جس کی اشد ضرورت تھی۔ (۲ ستمبر ۱۹۳۰ء) (۲۶)

تفسیر آیات کی تدبیر کائنات سے ہم آہنگی کیا عجیب لطف دیتی ہے۔ جب تحریر کے وقت، مصنف قول

خدا کو فعلِ خدا سے ہم آہنگ ہوتا ہوا دیکھے۔ سبحان اللہ!

(18)

مولانا امرتسری کی وسیع القلمی و المشرقی کی مثال اس امر سے خوب ظاہر ہوتی ہے کہ باوجود مسلک

الہدایت سے پیدائشی و عمومی تعلق رکھنے کے، وہ صوفیائے کرام کا ذکر جس عقیدت سے کرتے ہیں وہ بھی خوب

ہے۔

ایک جگہ حاشیہ میں رقمطراز ہیں:

”صوفیائے کرام رضوان اللہ جمیعین نے لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ کے

کلمات طیبات کو ایسی توجہ سے پڑھنا چاہئے کہ قائل ہر ایک لفظ پر

رب العلمین کے جواب کو گویا سنتا ہے۔ صفائی قلب کیلئے اعلیٰ درجہ

کا عمل ہے۔ اللهم ارزقنی۔“ (۲۷)

اس سے مولانا کے متصوفانہ مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ نیز صوفیائے کرام کیلئے رضوان اللہ جمیعین کے کلمہ

دعائیہ سے ان کی عقیدت کا بھی اندازہ ہوتا ہے..... مگر اس کے باوجود وہ اپنے زمانے کے پیروں کی گمراہی اور

ان کی جہالت کا ذکر کرنا نہیں بھولتے۔

مولانا امرتسریؒ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو استاذ الہند کا لقب دیتے ہوئے اُن کا نام اس طرح تحریر کیا ہے ”استاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ“ (۵۵) اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کو حجۃ الہند کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (۵۶)

(21)

مولانا نے اپنی تفسیر میں نیچریت کا ردّ بیشتر مقامات پر کیا ہے۔ اور شروع کی جلدوں میں تو کچھ زیادہ ہی کیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے سرسید احمد خانؒ کا حوالہ بھی کثرت سے دیا ہے۔ مگر ہر جگہ ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔ کہیں سید احمد خان مرحوم لکھا (۵۷) کہیں سید صاحب مرحوم (۵۸) کہیں ”معزز مخاطب سرسید احمد خان مرحوم“ (۵۹) اور کہیں ”سرسید احمد خان عفی اللہ عنہ“ (۶۰) وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ شاید یہی سبب رہا ہو کہ جب مولانا امرتسریؒ کا مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے کسی مسئلے میں ردّ لکھا تو انہوں نے بھی مولانا امرتسریؒ کا اکرام کرتے ہوئے انہیں نہ صرف مولانا لکھا۔ بلکہ مولانا سے پہلے گرامی منش بھی لکھا۔ پھر ان کا نام لکھا۔ یعنی ”گرامی منش مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ“ (۶۱) گرامی منش کا مطلب ہے ”بزرگ طبیعت“ (۶۲) حالانکہ مولانا بریلویؒ بڑے بڑے علماء کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اور جنہیں پسند نہیں کرتے تھے، انہیں کبھی بھی لفظ مولانا سے یاد نہیں کرتے تھے۔

(22)

تفسیر ثنائی میں اردو، عربی اور فارسی اشعار کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔ اس سے مولانا کے ذوق لطیف اور حسن جمالیات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی تفسیر میں سب سے پہلا شعر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق سے لکھا گیا ہے۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

اور تفسیر کے اختتام پر جو اشعار لکھے گئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

الا اے خردمند فرخندہ خوی

ہنر مند نشیندہ ام عیب جوئی

قباگر حریر است گر پر نیاں

نظر مقامات یعنی تنقیدات کا بھی ہے، جن پر راقم کا اپنا نقطہ نظر ہے لیکن اسے تمام پہلوؤں کے بعد لکھا جائے گا۔  
ان شاء اللہ و ما توفیقی الا باللہ۔

## حواشی و حوالہ جات

- (۱) بحوالہ ص ۳۷، زیر عنوان: التماسِ مصنف، حصہ اول، تفسیر ثنائی
- (۲) جلد: ۸، ص ۱۸۴
- (۳) جلد ۸، ص ۱۸۴
- (۴) جلد اول، ص ۲۰
- (۵) بحوالہ جلد اول، ص ۵۸
- (۶) مقدمہ، ص ۳۷
- (۷) ص ۳۷، زیر عنوان: التماسِ مصنف
- (۸) مقدمہ تفسیر ثنائی۔ ص ۱۶
- (۹) بحوالہ: جلد ۲، ص ۳۴-۸۰-۸۵-۱۰۳-۱۰۹، جلد ۳، ص ۱۵۴-۱۶۲-۱۶۶۔ جلد ۴، ص ۱۷۱ وغیرہ
- (۱۰) بحوالہ: جلد ۳، ص ۱۵۳
- (۱۱) مقدمہ۔ ص ۴
- (۱۲) جلد ۱، ص ۱۹
- (۱۳) جلد ۱، ص ۱۹
- (۱۴) جلد ۴، ص ۱۴۶
- (۱۵) جلد ۴، ص ۱۶۸
- (۱۶) جلد ۵، ص ۶۷
- (۱۷) جلد ۵، ص ۸۲
- (۱۸) جلد ۶، ص ۱
- (۱۹) جلد ۶، ص ۲۴
- (۲۰) جلد ۶، ص ۴۶

- (۴۴) جلد ۸، ص ۲۶
- (۴۵) جلد ۷، ص ۱۹۰
- (۴۶) جلد ۸، ص ۱۴۰
- (۴۷) جلد ۴-۳، ص ۴۴
- (۴۸) جلد ۲، ص ۱۲۲
- (۴۹) جلد ۱، ص ۱۳۰
- (۵۰) جلد ۲، ص ۱۰۱
- (۵۱) جلد ۲، ص ۳۵
- (۵۲) جلد ۴-۳، ص ۱۹۹
- (۵۳) جلد ۳، ص ۸۸
- (۵۴) جلد ۱، ص ۶۳
- (۵۵) جلد ۶، ص ۹۵
- (۵۶) جلد ۱، ص ۱۱۸
- (۵۷) جلد ۱، ص ۱۳۴
- (۵۸) جلد ۳، ص ۱۴۶
- (۵۹) جلد ۴، ص ۱۱۰
- (۶۰) جلد ۱، ص ۱۲۰
- (۶۱) فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۵، رضا فاؤنڈیشن جامعہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور، ص ۸۸، اشاعت ۱۹۹۹ء
- (۶۲) علمی اردو لغت (جامع) وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ، کبیر اسٹریٹ روڈ، اردو بازار، لاہور، طبع ۲۰۰۰ء
- (۶۳) جلد اول، ص ۱۸۴
- (۶۴) جلد دوم، ص ۱۶۲
- (۶۵) جلد چہارم، ص ۲۰۶
- (۶۶) جلد ہشتم، ص ۱۸۴